© rasailojaraid.com

ڈاکٹر روبینہ ترین / قیصر امتیاز گورمانی

اُردو کی ابتداء کے ضمن میں مختلف لسانی مؤرخین کے ہاں ملتان کا حوالہ

Reference of Multan in the Contex "Beginning of Urdu"

Abstract:

Dr. Rubeena Tareen, Professor & Chairperson, Urdu Department, Bahauddin Zakaria University, Multan, Pakistan. and
Mr. Qaiser Imtiaz Gormani, Research Scholar, Bahauddin Zakaria University, Multan, Pakistan

Language is one of the best creations by human being. Evolution of human being is not possible without language.
One generation transfers not only an individual civilization, culture, rituals based on particular system طفsounds, after passing through different stages which acquire new form too.
In the subcontinent, getting birth and growth of "URDU" language eventually the story of this kind.
Till now, there are many theories about beginning of the Urdu, which have been established with having contradiction among them, we cannot reject any one of them totally.
In India all the languages are related with family of "INDO-ARIAN FAMILY", some of different linguists tried to prove the influence of "DEVARIAN" on some of the languages.
AIN-UL-HAQ FARID KOTI. Got some resemblances among "DEVARIAN" and "MULTANI" on account of words, idiom, nous and verbs SARAIKI/MULTANI speaking off springs, students, mureeds of those SUFIES and SHAIKHS, they migrated to different parts of India and spread there message of Islam.
This continue process of teaching and education which covers the time of centuries became a course of great lingual amalgamation.
According to Jameel Jalib's point of view, of circular growth of URDU language, he said "growth of URDU language starts from Sindh and Multan and passes through Punjab, Turkey, Afghanistan during the time of centuries and finally reached DELHI and got its new colour from the languages over there and became a common language of the Sub Continent.
However about the "beginning of Urdu" researchers are not in against of the centralization of MULTAN in the contex, also in favour of the resemblance between old Urdu and modern SARAIKI.
Both of the writers focused successfully the centralization of Multan on behalf of "Beginning of Urdu".

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زبان ان مخصوص علامات کا ایک ڈھانچہ ہے جن کی مدد سے خیالات اور احساسات کو بیان کیا جاتا ہے۔ یہ انسان کی تمام عضوی اور جسمانی حرکات کا نام ہے، جن کے ذریعے سے دوسروں تک ابلاغ میں کام یابی ہو جائے۔ مختلف ماہرین نے زبان کی بہت سی تعریفیں کی ہیں۔ اس کی تفصیل میں جانے کی بجائے ہم آسانی سے دعویٰ کر سکتے ہیں کہ زبان انسان کی بہترین تخلیقات میں سے ایک ہے۔ غاروں اور جنگلوں سے بستیوں اور شہروں تک کا سفر انسان کسی بھی زبان کے بغیر طے نہ کر سکتا۔ ایک نسل آنے والی نسل کو ورثے میں منفرد تہذیب و ثقافت، رسوم و رواج کے علاوہ ایک نظام و آہنگ پر مشتمل زبان منتقل کرتی ہے۔ مختلف نسل کے انسانوں کے اختلاط کے نتیجے میں زبانیں بھی اختلاط کے مراحل سے گذرتی ہیں، بکھرتی ہیں اور نئی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ برصغیر کے طول و عرض میں اُردو زبان کا جنم لینا اور پرورش پانا صدیوں پر محیط اسی نوعیت کا ایک قصہ ہے۔ اُردو زبان کی ابتداء سے متعلق اب تک متعدد نظریات سامنے آ چکے ہیں اور دل چسپ امر یہ ہے کہ، ان میں ہمہ قسمی اختلافات ہونے کے باوجود کسی بھی نظریے کو سرے سے رد نہیں کیا جا سکتا، یوں اُردو زبان کی ابتدا نے ایک اساطیر کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ ایک وقت تھا جب آزاد فقط یہ کہہ کر، ''اتنا تو سب جانتے ہیں کہ اُردو زبان، برج بھاشا سے نکلی ہے''، ایک بہت بڑی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے۔ [1] گویا وہ ہندوستان میں بولی جانے والی سب سے بڑی زبان کے آغاز کے معاملے کو سرسری اور غیر اہم سمجھتے ہیں۔

ایک طویل عرصے تک لسانیاتی مؤرخین، سرسیّد احمد خان، اور انشاء اللہ خان انشاء کی تقلید میں اُردو زبان کو شاہ جہاں، دور کی پیداوار سمجھتے رہے۔ جب کہ مشہور مشرق شناس ڈاکٹر گلکرسٹ کے مطابق ''اُردو زبان کی بنیادیں اس وقت پڑیں جب تیمور نے ہندوستان پر حملہ کیا۔'' [2] بعد ازاں اگر کسی نے اس سے پہلے کا حوالہ دیا بھی تو دکن تک محدود رہا۔ محمد بن قاسم سے پہلے کی تاریخ کو انھوں نے نظر انداز کیا۔ عہدِ حاضر میں اُردو زبان کی بنیادیں تلاش کرتے ہوئے ماہرینِ لسانیات اس خطے کی ہزاروں برس قدیم تہذیب و ثقافت تک پہنچے ہیں۔ زبانوں کے مختلف خاندان متعین کیے گئے۔ وہ تمام علاقے جن کو ماہرینِ لسانیات نے اُردو زبان کے آغاز کا مرکز ثابت کرنے کی کوشش کی، ان میں بولی جانے والی علاقائی زبانوں کو بنیادی یا سطحی حوالوں سے اُردو کا مآخذ ثابت کیا۔ اس علاقائی زبان کی تاریخ اور اس پر اثر انداز ہونے والے دیگر لسانی عوامل کا تجزیہ کیا۔ اس عمل سے نہ صرف اُردو زبان کے آغاز کے ضمن میں بہت سی گرہیں کھلتی چلی گئیں بلکہ متعلقہ علاقائی زبان کی قدیم تاریخ سے بھی پردے اُٹھنے لگے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اب تک السنہ عالم کے آٹھ خاندان تسلیم کیے جاتے ہیں۔

۱۔ سامی	۲۔ ہند چینی
۳۔ دراوڑی	۴۔ مونڈا
۵۔ افریقہ کی بانتو	۶۔ امریکی
۷۔ ملایا	۸۔ ہندیورپی (آریائی)

ہندوستان میں تمام زبانیں ہند آریائی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ مختلف ماہرینِ لسانیات نے ہندوستان کی بعض زبانوں پر دراوڑی کے اثرات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس طرح کی ایک کوشش شوکت سبزواری کے ہاں بھی ملتی ہے،[3] جس پر عین الحق فرید کوٹی کو اعتراض ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ سنسکرت پر بھی دراوڑی کے اثرات موجود ہیں۔ عین الحق فرید کوٹی نے لفظ، محاورے، اسم اور فعل کے حوالے سے دراوڑی اور ملتانی میں مماثلت تلاش کی ہے۔[4] ان کا خیال ہے کہ آریاؤں کی ہندوستان آمد سے قبل وادیٔ سندھ میں دراوڑی قبائل کو برتری حاصل تھی۔ پروفیسر آل احمد سرور، ہندوستان کے اصلی باشندوں کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

> ’’ہندوستان کے اصلی باشندے پروٹو نیگرا وائیڈ (Protonegroid) جن کے جانشین آج بھی انڈمان اور نکوبار میں ملتے ہیں۔ پھر دروداڑی تہذیب ملک پر چھا گئی اور اسے آریاؤں کی آمد نے وندھیاچل سے جنوب میں دھکیل دیا۔‘‘[5]

عین الحق فرید کوٹی بھی درواڑی قبائل کو یہاں کے اصل باشندے نہیں مانتے، اور ان کی آمد آریاؤں سے کوئی ڈیڑھ ہزار برس قبل بیان کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ منڈا قبائل برصغیر کے قدیم ترین باشندے، جنھیں ماہرین، قدیم آسٹریلوی نسل سے منسلک قرار دیتے ہیں۔ یہ نسل ایک وقت میں نیوزی لینڈ سے پنجاب تک پھیلی ہوئی تھی۔[6]

یہاں لفظ پنجاب کا مطلب صرف خطے کا تعین کرنا مقصود ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ اس خطے کا نام کبھی بھی پنجاب نہیں رہا۔ یہ انتہائی جدید نام، فارسی کے دو کلمات کا مجموعہ ہے اور تاریخ میں پہلی مرتبہ جہانگیر کے عہد میں استعمال ہوا۔ ڈاکٹر محمد باقر اس خطے کی قدامت اور لفظ ’’پنجاب‘‘ کے حوالے سے کچھ اس طرح کہتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''زرتشتیوں کی مقدس کتاب ''اوستا'' کے جزو ''وندیداد'' (فرگرد، ۱، ۱۹) میں مذکور ہے کہ جو سولہ عمدہ جگہیں تخلیق کی گئیں ہیں ان میں سے پندرہویں کا متداد مشرق سے مغرب تک تھا، اور اس کا نام 'ہپتہ ہندو' تھا (سات دریاؤں کی سرزمین)۔ یہ دریا جہلم، چناب، راوی، بیاس، ستلج، سندھ اور کابل ہیں۔ بعد میں کابل اور سندھ کو نکال کر باقی ماندہ کو ''پنج آب'' کہا گیا۔ ۷

معروف مورخ مرزا ابن حنیف کے مطابق ''رگ وید میں لفظ ''سپت سندھ'' بمعنی سات دریاؤں کی سرزمین کہا گیا ہے۔'' ۸

سپت سندھ/ ہپتہ ہندو یا سات دریاؤں کی سرزمین کے مرکز ''ملتان'' کی قدامت مسلمہ ہے۔ مذکورہ محققین سے اتفاق کرتے ہوئے علامہ عتیق فکری بھی ملتان کی قدامت ''تقریباً ۲۵۰۰ قبل مسیح'' ۹ بتاتے ہیں، ڈاکٹر مہر عبدالحق خطۂ ملتان کی تہذیبی قدامت موہنجوداڑو اور ہڑپہ کی تہذیبوں کے متوازی قرار دیتے ہیں۔

''تین ہزار سال قبل مسیح میں ملتان کے قدیم قلعہ سے جو ٹھیکریوں پر نشانات ملتے ہیں وہ حیرت انگیز طور پر دکن میں برآمد ہونے والے نشانات سے مشابہ ہیں۔ اور یہ دونوں موہنجوداڑو سے برآمد شدہ نشانات کی ترقی یافتہ شکل ہیں۔'' ۱۰

آگے چل کر وہ خطۂ ملتان کی تہذیب کے دنیا کی قدیم ترین تہذیب ہونے کے بارے میں دیگر دلائل بھی دیتے ہیں۔ ملتان کی تاریخ لکھنے والوں میں ایک اہم نام، منشی عبدالرحمٰن خان کا ہے۔ وہ تاج الدین حنفی کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ طوفانِ نوح کے وقت ملتان آباد تھا۔ وہ ایک حدیث کا حوالہ دیتے ہیں، جس میں حضرت آدم علیہ السلام کے لنکا، میں اور ابلیس کے میسان، میں اُتارے جانے کا ذکر ہے۔ وہ ''میسان'' کو ملتان کا اوّلین نام قرار دیتے ہیں۔ جسے بعد ازاں حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد نے آباد کیا۔ ۱۱ خطۂ ملتان کی تہذیبی قدامت کے بارے میں مذکورہ بالا دلائل کے بعد، مختلف ادوار میں لسانی تشکیل کے عمل کا جائزہ مختلف لسانی مورخین کے نقطۂ نظر کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لسانی تشکیل

خطۂ ملتان کی قدامت کے اعتبار سے یہ بات طے ہے کہ جس طرح عہدِ قدیم سے عہد جدید تک مختلف قبائل یہاں وارد ہوتے رہے، اسی نسبت سے علاقے کی لسانیات کی دنیا میں توڑ پھوڑ ہوتی رہی۔ تاحال اس ضمن میں تاریخ سے کوئی ثبوت نہیں ملا کہ مختلف ادوار میں یہاں کی لسانی صورتِ حال کیا تھی؟ صرف قیاس کیا جاسکتا ہے، اگر ابتداء میں منڈا قبائل کی موجودگی کو تسلیم کیا جائے تو ان کی زبان پر سب سے اوّلین اثرات دراوڑی زبان کے مرتب ہوسکتے ہیں۔ ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی، وادیٔ سندھ کی زبانوں پر منڈا زبان کے اثرات سامنے لاچکے ہیں۔ یہ الفاظ سندھی اور سرائیکی میں بھی مستعمل ہیں۔ مثلاً: کھری (پاؤں)، جنگھ (ٹانگ)، لیرا (کپڑا) سندھی میں (لیڑ)، بھاڑہ (کرایہ) سندھی میں بھاڑو، روڑا (کنکر) سندھی میں روڑو۔ چند الفاظ اب بھی خطے کی تقریباً تمام زبانوں میں مستعمل ہیں۔ موچی، اناج، دال، گڑ، کریلا۔

اسی طرح دراوڑی زبان کے اثرات برصغیر کی مختلف زبانوں پر ثابت کیے۔ یہ اثرات سرائیکی اور اُردو میں بھی نظر آتے ہیں۔

اُردو	سرائیکی	اُردو	سرائیکی
آ	ا	ہاں	ہاں
نیر (آنسو)	نیر	تاؤ (تپش)	تا
چوٹی	چوٹی		

اس کے علاوہ سینکڑوں الفاظ میں جو ان زبانوں میں اب بھی استعمال میں ہیں۔ مثلاً "مولی، آری، مٹر، ماما، آپا، ان (اناج)۔" [۱۳]

بعد ازاں ہندوستان میں وارد ہونے والے آریائی قبائل جن کے بارے میں گریرسن کا کہنا ہے کہ "وہ مختلف گروہوں اور مختلف ادوار میں ہندوستان آئے۔ تاہم ان کا پہلا ورود سندھ یا جسے ہم مغربی ہند کہہ سکتے ہیں، میں ہوا۔" [۱۴] آریاؤں کی آمد کے بعد آریائی زبان نے یہاں کی تمام زبانوں کو بے حد متاثر کیا۔ برصغیر کی بیشتر پراکرتیں اسی اختلاط کے بعد جنم لیتی ہیں۔ اس خطے کی تقریباً تمام زبانوں میں آریائی اثرات موجود ہیں۔ سنسکرت، اُردو،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سرائیکی، سندھی اور پنجابی میں گنتی کے اعداد ایک سے ہیں۔ اسی طرح اسمِ ضمیر اور انسانی رشتوں کے نام بھی ملتے جلتے ہیں۔ جسمانی اعضاء کے نام بھی آریائی اثرات کی بدولت مماثلت رکھتے ہیں۔[۱۵]

گریرسن، گروہ بندی کرتے ہوئے ہند آریائی زبانوں کو تین شاخوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ اندرونی شاخ کے وسطی گروہ میں وہ گجراتی اور پنجابی کو شامل کرتے ہیں جب کہ سندھی زبان کو بیرونی گروہ کی شمال مغربی شاخوں میں شامل کرتے ہیں اور سرائیکی زبان کو سندھی کی ذیل میں شمار کرتے ہیں۔[۱۶] ڈاکٹر محی الدین قادری زور، نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے میں جو انھوں نے یورپ میں ۱۹۳۰ء میں مکمل کیا، ہند آریائی زبانوں کی چار شاخیں بیان کی گئی ہیں۔ ڈاکٹر زور سندھی اور پنجابی کو ایک ہی شاخ، شمال مغربی میں شامل کرتے ہیں۔ دل چسپ امر یہ ہے کہ وہ سرائیکی زبان کو پنجابی کی مغربی شاخ اور لہندا کا حصّہ بناتے ہیں جب کہ سندھی زبان کے ساتھ وچولی اور سرائیکی کو ملاتے ہوئے سرائیکی کو سندھی کی شاخ قرار دیتے ہیں۔[۱۷] ایسے لگتا ہے کہ وہ سرائیکی کے ضمن میں کسی مخمصے کا شکار ہو گئے تھے اور فیصلہ نہ کر سکے کہ یہ زبان ایک الگ حیثیت رکھتی ہے۔ اسی لیے وہ سرائیکی کو صرف سندھی کی ذیلی شاخ بنانے پر اکتفاء نہ کر سکے۔ انھیں اس زبان کو پنجابی کی ذیل میں بھی ملتانی اور لہندا کے نام سے لکھنا پڑا۔ البتہ اس سے ایک اور بات واضح ہوتی ہے کہ سرائیکی زبان سندھی اور پنجابی زبانوں کی درمیانی کڑی ہے۔ گریرسن اور عین الحق فرید کوٹی نے یہی مؤقف اختیار کیا کہ سرائیکی، پنجابی اور سندھی کی درمیانی کڑی ہے اور اپنی انفرادی خصوصیات کی حامل ہے۔ لہندہ سرائیکی کو وادیٔ سندھ کی ایک مستقل زبان تسلیم کرنا حقائق کے زیادہ قریب ہوگا۔"[۱۸] ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی نے زبانوں کی گروہ بندی انتہائی متوازن انداز میں کی ہے۔ انھوں نے شمال مغربی زبانوں میں پنجاب کی قدیم زبان کو دو حصّوں میں تقسیم کیا ہے۔ مغربی (وراچڈ)، سے لہندا اور لہندا زبان سے ہندکو اور سرائیکی زبانیں دکھائیں جب کہ مشرقی شاخ میں پنجابی اور ڈوگری زبانیں شامل کی ہیں۔[۱۹] اس گروہ بندی سے بھی یہی بات واضح ہوتی ہے کہ سرائیکی زبان سندھی اور پنجابی کی درمیانی کڑی ہے۔ سرائیکی زبان سندھی اور پنجابی کے درمیان حدِ فاصل قائم رکھے ہوئے ہے۔ جغرافیائی اعتبار سے دیکھا جائے تو سندھی زبان جہاں ختم ہونے لگتی ہے اس علاقے میں رہنے والے باشندے سندھی اور سرائیکی دونوں زبانیں بولتے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سمجھتے ہیں۔ جیکب آباد سے راجن پور اور سکھر سے صادق آباد کے درمیانی علاقے میں سندھی اور سرائیکی کا عجیب امتزاج دکھائی دیتا ہے۔ اسی طرح وسطی پنجاب، پنجابی اور سرائیکی دونوں کے اثرات میں ہے، دونوں زبانوں کا امتزاج ایک منفرد لہجہ پیدا کر رہا ہے۔۲۰ بدقسمتی سے ماہرینِ لسانیات ایک عرصے تک سرائیکی زبان کو پنجابی کا ایک لہجہ سمجھتے رہے، ان دونوں زبانوں کے مابین حدِ فاصل قائم نہیں کی گئی۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق نے تقریباً سات سو صفحات پر مشتمل ضخیم مقالہ میں نہایت فاضلانہ انداز میں یہ حدِ فاصل قائم کی۔ اس کے بعد سرائیکی کو الگ زبان کی حیثیت سے تسلیم کیا جانے لگا۔ انھوں نے نہ صرف ملتانی اور اُردو زبان میں اسماء و افعال، قواعد و گرائمر اور مستعمل الفاظ کے ذریعے مماثلت ثابت کی، بلکہ سرائیکی اور پنجابی میں اختلافات کے ایک طویل سلسلے کو بیان کیا اور عین الحق فرید کوٹی کے اس نظریے کی تردید کی کہ ملتانی رسرائیکی زبان پنجابی کا ہی ایک سلسلہ ہے۔۲۱

مختلف مؤرخین کے ہاں ملتان کا حوالہ:

اُردو زبان کے آغاز کے ضمن میں بہت سے نظریات سامنے آئے ہیں۔ ان میں ایک اہم نظریہ ''دکن میں اُردو'' ہے، جو نصیر الدین ہاشمی نے پیش کیا۔ ان کا مؤقف ہے کہ عرصہ قدیم (قبل از اسلام) سے ہندوستان کے جنوبی علاقوں (مالابار) میں عرب سوداگروں کی آمد و رفت ہو رہی تھی۔ عرب تاجروں اور مقامی باشندوں کے میل جول سے عربی اور دکنی کی آمیزش سے ایک نئی زبان وجود میں آئی، جسے آج اُردو کہتے ہیں۔ انھوں نے اُردو زبان پر دکنی اور عربی کے اثرات تلفظ، قواعد اور گرائمر سے ثابت کیے۲۲۔ ڈاکٹر سہیل بخاری، اس نظریے کی سختی سے تردید کرتے ہیں۲۳۔

''دکنی زبان میں عربی کے چند دخیل الفاظ کے علاوہ عربی زبان کے صوتی، صرفی یا نحوی کسی قسم کے اثرات نہیں ملتے۔ ہاشمی صاحب دکنی ادب کے نمونے تو پیش کرتے ہیں لیکن دکنی میں اس زبان کی روایت کو ثابت کرنے کے لیے اس کے بدلتے ہوئے روپ پیش نہیں کرتے۔ وہ چار سو سال بعد یعنی، خلجی دور کے ادب کو نمونے کے طور پر پیش کرتے ہیں''۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کے خیال میں دکن کی زبان پر ہند شمالی کی بہت سی زبانوں کا اثر ہے۔ بیجاپوری اثرات بھی ہیں۔ لیکن یہ نقوش کم ہیں۔ وہ حافظ محمود شیرانی کے تاریخی لسانی سفر اور ارتقاء کو مانتے ہیں، مگر قدیم دکنی ادب کو اُردو نہیں مانتے جس میں پنجابی، ہریانی، میواتی اور بیجاپوری اثرات ہیں۔ وہ دہلی میں اُردو کے نظریے کو بھی رد کرتے ہیں۔ مزید لکھتے ہیں کہ ۱۱۹۲ء میں غوری کے حملے کے وقت پرتھوی راج کے مشہور درباری شاعر (چندر پردائی) کی شاعری میں اُردو کے آثار نہیں ملتے، البتہ برج بھاشا، راجستھانی اور پنجابی کا اثر نمایاں ہے۔ ان کا خیال ہے کہ دہلی کے عوام کی زبان اُردو نہیں ہے، ہریانی ہے، اور آس پاس بھی ہریانی زبان بولی جاتی ہے۔ شاہجہاں سے قبل دہلی میں اُردو کے آثار نہیں ملتے۔ یہ دہلی سے باہر کی درآمد شدہ زبان ہے، اس لیے آج بھی دہلی میں اُردو کا چلن نہیں ہے۔[۲۴]

اُردو کی ابتداء کے بارے میں ڈاکٹر سہیل بخاری کا نظریہ سب سے جدا ہے۔ اپنے ایک طویل مضمون میں لکھتے ہیں کہ شاہجہاں کے دور میں دہلی کے راجدھانی بن جانے سے ایک لسانی انقلاب آیا اور دہلی کی قدیم ہریانوی زبان ترک کر کے جدید زبان دہلوی اختیار کر لی گئی، جسے بادشاہ نے ''اُردوئے معلّیٰ'' کا نام دیا۔ اس ضمن میں وہ شمس اللہ قادری (تاریخ زبان اُردو) کا حوالہ بھی دیتے ہیں، کہ اُردو زبان کا دہلی میں داخلہ شاہجہاں کے ساتھ ہوا۔[۲۵]

ڈاکٹر سہیل بخاری کے اس نظریے کو تسلیم کر لینے کا مطلب ہے کہ امیر خسرو، بہاء الدین باجن اور ابوالفضل کی زبان کو اُردو کی ابتدائی شکل ماننے سے انکار کر دیا جائے۔ مزید یہ کہ دہلی کے شاہجہاں آباد بننے سے ایک دم لسانی انقلاب آیا، اور دہلی کے قدیم باشندوں نے فوراً نئی زبان کو اپنا لیا۔ جب کہ دنیا بھر کے تمام لسانی محققین اس بات پر متفق ہیں کہ کسی بھی زبان کے بننے اور بگڑنے کے لیے صدیاں درکار ہوتی ہیں، فقط چند سالوں میں لسانی اختلاط اور لسانی ردوقبول مراحل طے نہیں ہو سکتے۔ ڈاکٹر شوکت سبزواری (اُردو زبان کا ارتقاء) میں بھی ڈاکٹر بخاری کے اس نظریے کو رد کرتے ہیں جس کی تفصیل یہاں بے جا طوالت کا باعث ہوگی۔ یہ امر بھی دل چسپ ہے کہ شاہجہاں کے دہلی منتقل ہوتے ہی اُردو زبان میں ادب تخلیق ہونے لگا۔ یہ بات ہتھیلی پہ سرسوں جمانے کے مترادف ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر بخاری نے کسی طویل ادبی روایت کی موجودگی کو ہرگز ضروری نہیں سمجھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سندھ میں اُردو:

اُردو زبان کے آغاز کے ضمن میں ایک مضبوط نظریہ، سندھ میں اُردو کا سامنے آتا ہے۔ سید سلیمان ندوی، نے سب سے پہلے یہ نظریہ پیش کیا۔ انھوں نے بنیاد اس امر کو بنایا کہ اگر مسلمانوں کی برصغیر آمد کے بعد مختلف زبانوں کے اختلاط کے نتیجہ میں اُردو زبان کی شکل نمودار ہونے لگی تو اس لحاظ سے اُردو زبان نے سب سے پہلے سندھ میں جنم لیا۔ کیوں کہ مسلمانوں کی برصغیر آمد سندھ کے راستے ہوئے۔ اور پہلی مسلم حکومت سندھ میں قائم کی گئی، جو محمد بن قاسم کی واپسی کے بعد بھی تین سو سال تک قائم رہی۔ مسلمان لشکروں میں عربی، ترکی اور فارسی بولنے والے افراد شامل تھے۔ جن کے قیام سندھ کے دوران یہاں کے مقامی باشندوں کے میل جول اور لین دین کے نتیجے میں ایک وسیع لسانی اختلاط ہوا۔ وہ ''نقوش سلیمان'' میں رقم طراز ہیں:

> ''جب ۱۳۲ھ میں خلافت کا مرکز شام سے عراق منتقل ہوگیا اور سندھ کے پنڈت بغداد جا کر اپنی زبان سے عربی میں کتابوں کے تراجم میں مدد لینے لگے اور وہاں کے مختلف علمی اور طبی منصبوں پر سرفراز ہونے لگے۔ اس زمانے میں عربی میں ہندی کے بہت سے اصطلاحی لفظ اور دواؤں اور خوشبوؤں کے نام داخل ہوئے۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہونا چاہیے تھا کہ سندھ اور ملتان میں دیسی بولیوں کے ساتھ عربی اور فارسی کا میل جول بڑھتا رہے اور ایک نئی مرکب بولی کا ہیولہ تیار ہو۔'' ۲۶

اور اس طرح لسانی اختلاط کے نتیجے میں سندھ کی مقامی زبانوں نے بیرونی زبانوں کے اثرات قبول کیے، مذکورہ لسانی اختلاط کو رد کرنا ہرگز آسان نہیں، شمس اللہ قادری کے مطابق سندھ میں عرب فاتحین کی حکومت پانچ سو سال تک قائم رہی اور اس کی سرحدیں کشمیر سے لے کر بحیرۂ فارس تک پھیلی ہوئی تھیں ۲۷۔ اس طرح وادیٔ سندھ کی صرف ایک سندھی زبان ہی پر ساری توجہ مرکوز نہیں کی جاسکتی۔ قدیم سندھ میں صرف ایک زبان کسی دور میں بھی مستعمل نہیں رہی۔ مولانا ابوظفر ندوی، کے مطابق ''سندھ اور ملتان کی اصلی زبان، جس میں وہاں کے سندھی عوام بات کرتے تھے، وہ متعدد تھیں۔'' ۲۸ بھیرومل مہر چنداڈوانی، ''سندھی زبان کی تاریخ'' میں سرائیکی زبان کی انفرادیت کو اس طرح واضح کرتا ہے:

> ''سندھ کے بالائی حصہ اباڑو (ضلع سکھر) کی طرف سرائیکی جسے عرف عام میں ''اُبھے دی بولی'' کہتے ہیں۔ سندھی سے الگ رنگ اختیار کرکے بھاول پور کے علاقے میں تبدیل ہو کر، ملتانی زبان سے جاملی ہے۔'' ۲۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وادیٔ سندھ کی ہر قسم کی لسانی تاریخ میں مختلف ناموں سے سرائیکی زبان کی انفرادیت کو تسلیم کیا گیا۔ چوتھی صدی ہجری کا مشہور سیاح، ابن حوقل جب سندھ میں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ سندھ میں سندھی اور عربی بولی جاتی تھی جب کہ ملتان میں ملتانی اور فارسی زبان کا رواج تھا۔۳۰ دل چسپ امر یہ ہے کہ موجودہ اُردو زبان میں اسی فیصد الفاظ انھی دو زبانوں کے ہیں۔

ڈاکٹر روبینہ ترین نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے میں لسانی تشکیل کے ضمن میں بارہا لفظ، وادیٔ سندھ کی زبان استعمال کیا۔ وہ کسی لسانی تخصیص کے بغیر اپنا مؤقف پیش کرتی ہیں مگر ان کے مقالے میں جس لسانی خطے کی طرف اشارہ مقصود ہے وہ ملتان اور سرائیکی زبان کا ہے۔۳۱

ڈاکٹر شاہدہ بیگم نے مختلف دلائل کے ذریعے عربی اور فارسی کے سندھی زبان پر اثرات واضح کیے ہیں۔ جس تاریخی دور میں وہ لسانی اختلاط کو دیکھتی ہیں اس دور میں وہ وادیٔ سندھ کے دو علمی وتہذیبی مراکز، منصورہ اور ملتان، کا ذکر کرتی ہیں۔ وہ اس بات کو بھی تسلیم کرتی ہیں کہ سندھ ملتان اور راجستھان کی زبانیں قریب المخرج تھیں ۳۲۔ سیّد سلیمان ندوی اور ڈاکٹر شاہدہ بیگم، کے علاوہ شرف الدین اصلاحی نے اُردو سندھی مماثلت کے حوالے سے تحقیقی کام کیا ہے۔ وہ سیّد سلیمان ندوی کے کام کو بھی ان نعروں میں سے ایک نعرہ قرار دیتے ہیں جو اُردو زبان کی ابتداء کے حوالے سے لگائے گئے۔ وہ رقم طراز ہیں:

> ''جس طرح پنجاب، دکن، گجرات، میں بیرونی فاتحین کی زبانوں عربی، فارسی کے اختلاط سے پنجابی، دکنی، گجراتی پیدا ہوئی، تو سندھ میں اختلاط سے سندھی پیدا ہوئی۔ جس زبان کا ہیولہ تیار ہوا وہ اور کوئی نہیں، سندھی زبان ہے۔'' ۳۳

شرف الدین اصلاحی نے لسانی تحقیق میں نہ صرف جدید کام کیا ہے بلکہ انھوں نے سائنسی بنیادوں پر نتائج اخذ کیے ہیں۔ انھوں نے اُردو اور سندھی کی مماثلت قواعد و گرائمر یا افعال و اسماء میں تلاش کرنے پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ سندھی اُردو صوتیاتی، فونمیاتی حد تک مماثلت پیش کی ہے۔ مصوتے اور مصمتوں میں بھی لسانی اشتراک ڈھونڈ نکالا ہے۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ انھوں نے سندھی زبان کے جتنے بھی الفاظ وتراکیب اُردو مماثلت میں دیے ہیں وہ سب سرائیکی زبان میں بھی اسی طرح مستعمل ہیں۔ سندھی زبان کے چھے مخصوص مصمتے (ب، ج، ڈ، ڑ، گ، ن) سرائیکی زبان میں بھی شامل ہیں۔ جہاں اُردو الفاظ کے آغاز میں حرف (ب) سندھی زبان میں (و)، وڈا (بڑا)، وسنا (بسنا)۔ جو الفاظ اُردو سندھی مماثلت میں پیش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیے گئے وہ یہاں سرائیکی، اُردو اور سندھی مماثلت میں پیش کیے جاتے ہیں۔ یہ فہرست صرف چھے مخصوص مضمون کے چند الفاظ پر مشتمل ہے۔

”سرائیکی	اُردو	سندھی	سرائیکی	اُردو	سندھی
پانی	پانی	پانی	چٹنی	چٹنی	چٹنی
ان بن	ان بن	ان بن	باہر	باہر	باہر
بول	بول	بول	بوٹی	بوٹی	بوٹی
جٹ	جٹ	جٹ	دھج	دھج	دھج
بھجن	بھجن	بھجن“	۳۴؎		

پنجاب میں اُردو:

حافظ محمود شیرانی کی شہرہ آفاق تحقیق میں لفظ پنجاب یا پنجابی زبان سے مراد عموماً صرف پنجاب کے شمال مشرقی حصے کی زبان لیا جاتا ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت سرائیکی کو الگ زبان کی حیثیت سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ حافظ شیرانی جس پنجابی کی بات کرتے ہیں وہ پنجاب کے کسی خاص حصے کی زبان نہیں بلکہ منجملہ تمام زبانوں کے حوالے سے اسے دیکھا جانا چاہیے۔ وہ بعض جگہوں پر ملتانی کا نام بھی لیتے ہیں۔ اُردو، ملتانی، پنجابی کی مماثلت کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

> ”اس کے متعلق شہادت لسانی کافی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اُردو اپنی صرف ونحو میں ملتانی زبان کے بہت قریب ہے۔ دونوں میں اسماء و افعال میں الف آتا ہے۔ دونوں میں جمع کا طریقہ مشترک ہے“۔ ۳۵؎

یہ امر مدِنظر رہے کہ، حافظ محمود شیرانی کا تعلق پنجاب سے نہ تھا، اور نہ ہی ان کی مادری زبان پنجابی یا سرائیکی تھی۔ انھوں نے نہایت دقیق انداز میں وسیع تر مطالعے کے بعد پنجابی زبان اور اُردو کی مماثلت اسماء و افعال اور قواعد وگرائمر کی رو سے تلاش کی۔ جس کے لیے انھیں بہت زیادہ تحقیقی جستجو کرنا پڑی۔ شیرانی نے جن الفاظ کو پنجابی زبان سے متعلق قرار دے کر اُردو کے ساتھ مماثلت تلاش کی ان میں اکثر الفاظ سرائیکی زبان کے ہیں۔ ان کی یہ مثال کہ فعل تذکیر و تانیث و واحد جمع اپنے فاعل کے مطابق ہے، سرائیکی زبان میں بھی دی جاسکتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ مثلاً: ''گھوڑے آئے''، اسی طرح ''بھولے لوک'' اُردو اور سرائیکی میں بعینہٖ مستعمل ہیں۔ کتاب مذکورہ میں پنجابی اور اُردو کی مماثلت میں دیے گئے اکثر جملے سرائیکی زبان کے ساتھ نسبتاً زیادہ مماثلت رکھتے ہیں۳۶۔

سرائیکی	اُردو	پنجابی
اوان پڑھ ہے	وہ ان پڑھ ہے	اوان پڑھ ہیگی
کجھ کجھ درد باقی ہے	کچھ کچھ درد باقی ہے	کجھ کجھ درد باقی ہیگا
کیا نیں سنیا	کیا نہیں سنا	کی نئیں سنیا
تساں اے خبر سنی ہوسی	آپ نے یہ خبر سنی ہوگی	تسی اۓ خبر سنی ہونی اے

شیرانی، ''تاریخ فیروز شاہی'' میں شمس سراج عفیف، فیروز شاہ تغلق کے شکار کے ذکر کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ لفظ ''ڈھندے'' تالاب یا جوہڑ کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ''ڈھنڈ'' سرائیکی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی ہیں گہرا تالاب۔ ایک اور ضرب المثل دیکھیں:

آس پاس برسے
دلی پڑی ترسے

لفظ ''ترسے'' فارسی زبان میں ڈر، خوف میں رحم کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اور لفظ ''ترس'' سے ماخوذ ہے۔ جب کہ اس ضرب المثل میں یہ لفظ پیاس اور تشنگی کے معنوں میں استعمال ہوا ہے، اور سرائیکی زبان میں لفظ ''ترسے'' پیاس اور تشنگی کے معنوں میں آج بھی مستعمل ہے۔ دہلی کی زبان پر سرائیکی کے اثرات اس زبان کی اوّلین حیثیت ثابت کرتے ہیں۔ شیرانی، محمد امین دکنی کے ایک شعر کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ دکنی زبان پر سرائیکی کے اثرات حافظ محمود شیرانی کی تحقیق سے ثابت ہوتے ہیں۔ جب وہ اُردو زبان اور برج بھاشا اختلافات کا ذکر کرتے ہیں تو انھیں اُردو زبان سرائیکی سے زیادہ قریب دکھائی دیتی ہے۔

> ''جب ہم اُردو کے ڈول، اس کی ساخت اور وضع قطع کو دیکھتے ہیں تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا ڈھنگ اور ہے اور برج بھاشا کا رنگ اور ہے، دونوں کے قواعد و ضوابط و اُصول مختلف ہیں۔ اُردو، برج بھاشا کے مقابلے میں پنجابی، بالخصوص ملتانی سے مماثلت قریبہ رکھتی ہے''۔۳۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"نور نامہ" سرائیکی زبان کی قدیم تصنیف ہے جسے حافظ محمود شیرانی ۱۰۰۴ء کی تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن اندرونی شہادتیں اور متن سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ یہ اس سے بہت پہلے کی تصنیف ہے۔ اس کا ایک اقتباس دیکھیں:۔

"پنج سے سال جو گزرے آھے ہجرت بعد رسولوں
ملاں کہے غریب بچارا کم علماواں کولوں
نیکی عمل نہ کیتم کوئی شامت نفس جیولوں
عمر گزری توں پچھوں تاواں بھرلہاں قبولوں
جو کجھ روئے زمین تے پیدا سب کجھ ہوسی فانی
نام نشان نہ رہسی کائی جز ایمان نشانی" ۳۸

اس اقتباس کو اگر ایک ہزار سالہ قدیم سمجھ لیا جائے تو بھی یہ عام بول چال کے آسان الفاظ میں ہے جو آج کے دور میں سرائیکی اور اُردو میں بولے جارہے ہیں۔ ان چھے مصرعوں میں بھلا کتنے الفاظ ہیں جو اُردو والوں کے لیے اجنبی ہیں، شاید دو یا چار الفاظ۔ اسے جدید سرائیکی یا قدیم اُردو کہا جاسکتا ہے اور اگر اسے خطۂ ملتان میں اُردو کی ابتدائی شکل قرار دے دیا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ کیوں کہ ایک ہزار برس قبل سرائیکی زبان اس قدر آسان نہ تھی جو اس طرح سے بولی اور لکھی جاسکتی ہو۔ یقیناً یہ ایک نئی زبان کا ابتدائی خاکہ ہے جو صدیوں سے تیار ہو رہا تھا۔

سیّد محمد قادری، "ارباب نثر اُردو" میں زبان کے عالم وجود میں آنے کا سبب اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"اُردو کی بنیاد اس وقت پڑی جب مسلمان فاتحین نے کوہ ہندوکش عبور کر کے سرزمین ہند میں قدم رکھا اور آریہ ورتھ کے باشندوں سے میل جول قائم کیا جوں جوں ان دونوں قوموں کے تعلقات میں وسعت پیدا ہوتی گئی، مسلمانوں کی عربی، فارسی اور ہندوستان کی آریائی زبانوں کے باہمی ملاپ سے ایک مخلوط زبان یعنی اُردو عالم وجود میں آئی"۔ ۳۹

ڈاکٹر مہر عبدالحق اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ میں یہی بات قدرے مختلف انداز میں پیش کرتے ہیں، "کہ ایک نئی زبان کی بنیاد اس وقت پڑنا شروع ہوئی جب عرب مسلمانوں نے اور ان کے فارسی، ترکی اور بلوچی زبانیں بولنے والے عساکر نے وادیٔ سندھ میں قدم رکھا۔" ۴۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی صورت میں یہ سلسلہ ہزار سال قبل مسلم عساکر لشکروں کے ہم راہ دہلی میں اور پھر دکن تک پہنچا۔ جہاں دیگر علاقائی زبانوں کے اختلاط کے نتیجے میں ایک نئی زبان، ہندوستان کی "ٹلینگو افرینکا" کی صورت میں سامنے آئی۔ تمام ماہرینِ لسانیات اس تاریخی سفر کی ترتیب اور لسانی اختلاط پر متفق ہیں۔

سرائیکی اور اُردو:

سرائیکی زبان کو وادیٔ سندھ کی مرکزی زبان ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہ زبان کس قدر قدیم ہے اور کب سے اس خط میں بولی جارہی ہے اس بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ سرائیکی زبان پر دراوڑی کے اثرات بھی ہیں اور آریائی اثرات بھی واضح ہیں۔ سرائیکی زبان کی قدامت کے بارے میں بھیرو دل • رسینی نامی متھرا کے راجا کے حوالے سے لکھتا ہے:

> "شورسینی پراکرت بہت دور تک اور اس کا دائرہ مغربی پنجاب سے لے کر گجرات اور بنگال تک تھا۔ تمام مغربی پنجاب میں شورسینی پراکرت رائج تھی اور اسی زبان سے مغربی پاکستان کی سرائیکی، کشمیری اور دوسری داردی زبانیں وجود میں آئیں، اور اسی طرح مشرقی پنجاب کی ہندی میں سرائیکی اور کشمیری زبان کی آمیزش سے پنجابی زبان پیدا ہوئی"۔[۱۱]

جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ سرائیکی زبان، سندھی اور پنجابی کے درمیان ایک پل کا کام دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں طرف کے لسانی محقق اُردو زبان کی ابتداء کے ضمن میں سرائیکی زبان کی اہمیت اور مرکزیت کو ضرور تسلیم کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر مہر عبدالحق کا تحقیقی کام خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔

ڈاکٹر مہر عبدالحق ہی وہ پہلے لسانی محقق ہیں جنھوں نے اُردو زبان کی اصل جائے پیدائش کا تعین کیا۔ اپنے پی ایچ ڈی کے ضخیم مقالے میں نہ صرف پنجابی زبان اور اُردو میں اختلافات واضح کیے بلکہ پنجابی اور سرائیکی زبانوں میں وسیع اختلافات ثابت کرکے ماہرینِ لسانیات کو قائل کیا کہ سرائیکی زبان ایک منفرد اور الگ وجود رکھتی ہے۔ انھوں نے ہزاروں الفاظ حوالے کے طور پر دیے۔ انھوں نے ثابت کیا کہ اُردو زبان اپنی صرف ونحو میں ملتانی زبان سے زیادہ قریب ہے۔ دونوں کے اسماء وافعال کے آخر میں الف آتا ہے اور دونوں میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جمع کا طریقہ مشترک ہے۔ اُردو زبان کے قدیم شعری ادب سے سرائیکی زبان کا ذخیرہ الفاظ دریافت کیا، جس میں امیر خسرو، بھگت کبیر، بابا گورونانک، قطب شاہی شعراء اور ولی دکنی کا کلام شامل ہے۔۴۲

انھوں نے لفظ سرائیکی استعمال نہیں کیا، اور اس زبان کو ملتانی کہتے رہے۔ سرائیکی زبان کو ملتانی کہنے کا رواج تقریباً تمام لسانی محققین کے ہاں ملتا ہے۔ سرائیکی کا لفظ عہدِ جدید میں استعمال ہونا شروع ہوا ہے اور اب تمام لسانی محققین یہی لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اُردو زبان کے آغاز کے حوالے سے تقریباً تمام لسانی محققین کے ہاں اس بات کے شواہد ملتے ہیں کہ اُردو زبان کی بنیاد خطۂ ملتان میں پڑی۔ ڈاکٹر جمیل جالبی ''تاریخ ادب اُردو'' میں اس خطہ میں لسانی اختلاط کے حوالے سے اپنا موقف پیش کرتے ہیں:

> ''عربوں کی حکومت سندھ اور ملتان پر ۷۱۲ھ سے ۱۰۹۴ء تک قائم رہی۔ انھوں نے اپنے نظامِ خیال کی قوت سے ان علاقوں میں وحدت کا تصور پیدا کر کے معاشرتی زندگی کی رفتار کو نہ صرف تیز کر دیا بلکہ تہذیبی اور لسانی عوامل میں بھی ایک نئی روح پھونک دی۔ اس نئی سیاسی اور معاشرتی صورتِ حال نے لسانی سطح پر ایک ایسی زبان کی ضرورت کو اُبھارا جس کے ذریعے اس علاقے میں بسنے والی مختلف اقوام ایک دوسرے سے ابلاغ کر سکیں''۔۴۳

خطۂ ملتانی کی بدنصیبی یہ ہے کہ ابتداء اُردو کا کوئی دستاویزی ثبوت تاحال دریافت نہیں ہوسکا۔ اس کی بہت سی وجوہات ہیں۔ سب سے بڑی وجہ تو قدیم خانقاہوں کے گدی نشین خانوادے ہیں جو ایسی کسی دستاویز تک رسائی میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ قدیم دور میں حکایتیں یا قصے یا شعر تخلیق ہوئے بھی تو وہ ضابطہ تحریر میں نہیں لائے جاتے تھے۔ یہ سب سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے رہتے تھے اور اگر کچھ تحریر ہوا بھی تو محفوظ نہ رہ سکا، کیوں کہ خطۂ ملتان ہر دور میں بیرونی حملہ آور عساکر لشکروں کی یلغار میں رہا۔ تمام لشکروں کی گزرگاہ بنا رہا، چاہے وہ فاتح کی صورت قیام پذیر ہوئے یا شکست خوردہ ہو کر اسی راستے سے پسپائی اختیار کی۔ اس صورتِ حال میں کسی قدیم دستاویز کا سلامت رہ جانا ایک معجزہ ہوتا جو نہ ہوسکا (اب تک کی معلومات کے مطابق)۔ خطۂ ملتان کی سب سے قدیم تصنیف جو دستیاب ہے وہ شیخ فرید الدین شکر گنج (متوفی ۶۶۴ھ۔۱۲۶۵ء) کے اشعار ہیں۔ فرید الدین گنج شکرؒ کے چند اشعار شاہ باجن گجراتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی تصنیف ''خزائن رحمت'' (۱۳۱۹ء) میں نقل کیے گئے ہیں۔ جب کہ ان اشعار کا دوسرا ماخذ گروگرنتھ ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے مسعود سعد سلمان کے بعد فریدالدین گنج شکرؒ کو اُردو کا پہلا شاعر تسلیم کیا ہے۔ اسی حوالے سے ڈاکٹر مختار ظفر، انھیں خطۂ ملتان کا پہلا اُردو شاعر قرار دیتے ہیں۔ حافظ محمود شیرانی انھیں مسعود سعد سلمان کے بعد پنجابی کا پہلا شاعر مانتے ہیں۔ جب کہ کیفی جام پوری کا مؤقف ہے کہ ''شیخ فریدالدین گنج شکرؒ سرائیکی زبان کے پہلے شاعر ہیں۔''[۴۴]

اس سلسلے میں مولانا نور احمد فریدی کا مؤقف سب سے جدا ہے۔ وہ شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کو خطۂ ملتان میں پہلا سرائیکی یا اُردو شاعر ماننے کو تیار نہیں۔ ان کا مؤقف ہے کہ آپؒ افغانستان سے تشریف لائے تھے، اور گھر میں فارسی بولی جاتی تھی۔ پندرہ سولہ سال میں سرائیکی زبان پر مہارت حاصل نہیں ہوسکتی۔ بہاء الدین زکریاؒ (ولادت ۵۶۶ھ) جو فریدالدین گنج شکرؒ (ولادت ۵۸۲ھ) سے سولہ برس بڑے تھے۔ وہ ضلع مظفر گڑھ کے علاقے کروڑ سے تعلق رکھتے تھے اور سرائیکی انؒ کی مادری زبان تھی۔ بہاء الدین زکریاؒ نے تعلیم فارسی زبان میں حاصل کی اور ملتان میں ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کیا، جس میں فارسی زبان میں تعلیم دی جاتی تھی۔ راقم الحروف مولانا نور احمد خان فریدی، کے اس مؤقف سے اتفاق کرتا ہے۔ اور مذکورہ دلائل اس بات کو تسلیم کر لینے کے لیے کافی ہیں۔ اس لیے بہاء الدین زکریاؒ کو اس خطہ میں سرائیکی اور اُردو زبان کا پہلا شاعر تسلیم کیا جاتا ہے۔[۴۵]

محمد بن قاسم کی فتح سندھ و ملتان (آٹھویں صدی عیسوی) کے بعد تقریباً پانچ سو سال تک ملتان تہذیبی اور علمی سرگرمیوں کا مرکز رہا۔ دینی خانقاہوں اور مدارس میں تعلیم فارسی زبان میں دی جاتی رہی اور عام زندگی میں لوگ ملتانی زبان بولتے تھے (ابن حوقل)۔ خطۂ ملتان سے تعلق رکھنے والے صوفیاء اور اولیاء کرام کی اولاد اور شاگردوں کا طویل سلسلہ برصغیر کے طول و عرض میں پھیلا۔ جہاں لاکھوں کی تعداد میں لوگ ان کے شاگرد ہوئے اور کروڑوں افراد مسلمان ہوئے۔ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ، حضرت بختیار کا کیؒ کے شاگرد اور خلیفہ تھے، اجمیر شریف میں ہی رہے۔ ملتان کے قریب واقع قصبہ اجودھن (پاک پٹن) میں قیام پذیر ہوئے جو ملتان اور دہلی کی گزرگاہ پر واقع ہے۔ شہاب الدینؒ کے چھے بیٹے یعنی آپ کے پوتے دہلی، فتح پور، جون پور، رہتاس گڑھ، بہار اور بنگال میں سکونت پذیر ہوئے۔ شیخ نجیب الدین متوکلؒ خلیفہ اور چھوٹے بھائی تھے جو دہلی میں جاکر آباد ہوئے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا سیّد بدرالدین اسحاقؒ دہلی سے تعلق رکھتے تھے، خلیفہ اور مرید تھے۔ ''اسرارالاولیاء'' کے مصنف تھے جس میں شیخ فریدالدین گنج شکر کے ملفوظات جمع ہیں۔ خواجہ نظام الدین محمدؒ، بدایوں اور لاہور میں رہے۔ مخدوم سیّد علاؤالدین علی صابر، علاؤالدین خلجی کی فوج میں شامل رہے۔ ۴۶ حضرت قطب عالمؒ، ملتانی تھے، بارہ برس کی عمر میں پٹنہ پہنچے اور بعد ازاں احمد آباد (گجرات) پہنچے۔ ان کے ہزاروں شاگرد اور مرید تھے۔ اپنے فرزند شاہ محمود کے ہاں بیٹے کی ولادت پر ملتانی زبان میں یہ کلمہ کہا ''بھائی محمود خوش ہوا ساں تمیں وڈا تساں تھیں وڈا ساڈے گھر جلال جہانیاں آیا''۔ خواجہ بندہ نواز گیسودراز کے والد ملتان سے تعلق رکھتے۔ ان کی مادری زبان ملتانی تھی وہ ملتان سے دہلی اور پھر دکن گئے۔ ان کی زبان سانجھی تھی ان کے شاگردوں کا کلام بھی ایسا ہی ہے ۴۷۔ خواجہ بندہ نواز گیسودراز گجرات کے راستے دکن پہنچے۔ فیروز آباد میں ۸۱۵ھ میں آئے تو شایانِ شان استقبال ہوا اور وہیں کے ہو رہے۔ ان کے علاوہ بہت سے صوفیاء کرام نے دہلی سے دکن کا سفر کیا۔ نظام الدین اولیاء کے شاگرد برہان الدین غریب محمد تغلق کے دور میں دلی اُجڑنے کے بعد دولت آباد پہنچے اور دکن کی خلافت ملی تو ہمیشہ کے لیے وہیں رہ گئے اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ جب انھیں دکن جانے کا حکم ملا تو فرمایا کہ، میری پیرزادی دولت آباد میں مقیم ہے۔ بابا فرید گنج شکر کی صاحبزادی، عائشہ بی بی کی بیٹی کو دیکھ کر ہنسے تو انھوں نے یہ سرائیکی جملہ: ''اے برہان الدین ساڈی دھیہ کہ کیہا ہسدا ہے'' ۴۸۔ شیخ بہاء الدین باجنؒ شیخ رحمت اللہ (خزائن رحمت کے مصنف) کے مرید تھے، اور برہان پور میں قیام پذیر رہے۔ شمس العشاق شاہ میراں جی مکہ میں پیدا ہوئے، دکن میں آکر گیسودراز کے شاگرد ہوئے۔ ہندی جانتے تھے، ان کا کلام ہندی میں موجود ہے۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ (۷۰۷ھ تا ۷۸۵ھ) نے ۷۵۲ ہجری میں ملتان جاکر سلطان فیروز الدین تغلق اور سندھ کے فرمانروا، جام مانیہ کے مابین صلح کرائی۔ وہ سیر و سیاحت کے بہت دل دادا تھے، بکھر تک ان کی اولاد پھیلی ہوئی تھی ۴۹۔ خطۂ ملتان سے تعلق رکھنے والے اولیاء کرام کا محبت، امن اور معرفت سے لبریز پیغام ہندوستان کے ہر حصے میں پہنچا۔ جس میں ان کی مادری زبان کے اثرات بھی واضح نظر آتے ہیں۔ یہی وہ لسانی اختلاط کا سفر تھا جسے تمام لسانی مورخین تسلیم کرتے ہیں، اور جس کی ابتداء خطۂ ملتان سے ہوئی۔ ڈاکٹر وفا راشدی لکھتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

> "سندھ اور ملتان زمانہ قدیم سے تاریخی تہذیبی اور ثقافتی طور پر ایک دوسرے سے بہت قریب رہے۔ اس زمانہ میں سندھ میں جو اُردو بولی جاتی تھی وہ ملتانی یا سرائیکی سے بہت قریب تھی۔ اس زبان کے نمونے چھٹی صدی ہجری کے اہلِ اللہ وصوفیاء کے کلام میں ملتے ہیں"۔ ۵۰

صوفیاء کرام کے اتنے عظیم سلسلے اور ان کی تعلیم و تبلیغ کے نتیجے میں برصغیر کی مختلف پراکرتوں اور اپ بھرنشوں پر مرتب ہونے والے لسانی اثرات سے چشم پوشی تحقیقی گناہ ہے اور بہت کم تاریخی محقق اس گناہ سے اپنا دامن بچا سکے ہیں۔ مزید یہ کہ ہزاروں کی تعداد میں ایرانی، عربی، ترک اور بلوچ سپاہیوں کی عام لوگوں سے بات چیت اور میل جول کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ علاء الدین خلجی کے دور میں ملتان کے تاجر دہلی میں معروف تھے۔ ملک التجار خواجہ حمید الدین ملتانی اور ملک فضل اللہ ملتانی ساہوکارہ چلاتے تھے اور بڑے بڑے رئیسوں کو قرض دیتے تھے۔ ملتان سے ہزاروں کی تعداد میں تاجر اور دیگر پیشوں سے وابستہ لوگ مغل حملہ آوروں کے خوف سے ترکِ وطن کر کے دہلی کے آس پاس آباد ہوئے۔ ۵۲

گزشتہ چند دہائیاں تعلیم و تحقیق کے ضمن میں بہت بڑے انقلاب لا چکی ہیں۔ تاریخ اور مقبول عام تاریخی حقائق کی ردِ تشکیل (Deconstruction) کر کے از سرِ نو دیکھنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اس تناظر میں اُردو زبان کے آغاز وارتقاء کو ایک نئے انداز سے دیکھا جانا چاہیے۔ بہت سے ایسے عوامل کو جو اب تک قابلِ توجہ نہ تھے، از سرِ نو اہمیت دینے کی ضرورت ہے۔ ان میں سب سے اہم صوفیاء اور اولیاء کرام کی ایک ہزار سال پر محیط تدریس و تبلیغ کے لسانی اثرات کا تحقیقی جائزہ ہے۔ خطۂ ملتان ہزاروں برس تک برصغیر کی شمال مغرب میں ایک بہت بڑا تہذیبی اور تعلیمی مرکز رہا ہے اور شمال مغرب سے آنے والے حملہ آوروں، تاجروں اور اولیاء اور علماء کرام کے لیے اہم ترین دوراہا بنا رہا۔ اس لیے مذکورہ بالا تمام حوالے اور دلائل اس بات کو ثابت کر رہے ہیں کہ خطۂ ملتان کی مقامی زبانوں پر مرتب ہونے والے عربی، فارسی، ترکی، بلوچی اثرات کے نتیجے میں ایک ایسی رابطے کی زبان متشکل ہونے لگی جس نے دہلی تک پہنچ کر اور وہاں کی مختلف زبانوں کے اثر و نفوذ کے بعد دہلوی یا ہندوی کی شکل اختیار کر لی، جو بعد ازاں سیاسی، علمی، مذہبی اور تہذیبی عوامل کے سبب دکن پہنچی اور خواجہ بندہ نواز گیسو دراز، قطب شاہی سلسلے اور ولی دکنی کی زبانِ سخن ٹھہری۔ ڈاکٹر محمد علی صدیقی اُردو زبان کے آغاز کے ضمن میں ملتان اور منصورہ کی اہمیت کے بارے میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملتانی زبان سے اُردو کے آغاز کے ڈاکٹر مہر عبدالحق کے مقالے سے متفق نظر آتے ہیں۔

''اس زبان کے اوّلین خدوخال موجودہ سندھ اور پنجاب کے منصورہ اور ملتان کے علاقوں میں تشکیل پائے اور جب آل غزنہ کی لاہور کے علاقہ میں ڈیڑھ سو سالہ اقتدار کے بعد سیاسی طاقت کا مرکز دہلی منتقل ہوا اور ۱۲۰۶ء میں شہاب الدین غوری دہلی کے تخت پر باقاعدہ متمکن ہوئے تو پھر شمالی سندھ اور جنوبی پنجاب کی لہندا زبان اور شورسینی کے علاقے کی دیہی اور شہری بولیوں کے پدری (Yang) اور مادری (Yin) عناصر کے آمیزہ نے ایک ایسی زبان کو ممکن بنایا جس نے امیر خسرو کے زمانے میں دہلوی یا ''ہندوی'' نام پایا۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کے ''امیر نگر'' کے جمع کردہ خسرو کے ہندوی کلام پر جس منطقی استدلال کی عمارت کھڑی کی ہے اس کی بنیادیں بہت مضبوط ہیں۔ اس عمارت میں مہر عبدالحق کے شاندار تحقیقی مقالہ ''ملتانی اور اُردو زبان کے روابط'' کے دلائل کے لیے خاصی گنجائشیں نکلتی ہیں۔'' ۵۳

عہد حاضر میں جدید تر لسانی تحقیقی طریقۂ کار کے حوالے سے ڈاکٹر شوکت سبزواری معروف ہیں۔ ان کے خیال میں ہندوپاکستان کی موجودہ زبانیں اپ بھرنشوں کی پیداوار ہیں اور یہ بھی کہ تمام پراکرتیں سنسکرت سے نہیں نکلیں۔ وہ پالی زبان کا اُردو یا سنسکرت کے ساتھ کسی بھی تعلق کو رد کرتے ہیں۔ وہ قدیم ہند آریائی زبانوں کا نقشہ کھینچتے ہوئے، شورسینی سے اپ بھرنش اور پھر اپ بھرنش پانچ زبانیں جن میں راجستھانی، پنجابی، مغربی، ہندی، سندھی اور گجراتی تک آتے ہیں۔ اس کے بعد وہ تین زبانیں 'مغربی ہندی' سے ماخوذ قرار دیتے ہیں، جن میں ہریانوی، برج بھاشا، اور اُردو (کھڑی بولی) شامل ہیں ۵۴۔ بیشتر ماہرین لسانیات پنجابی اور سندھی کے بیچ والی زبان (مغربی ہندی) کو لہندا قرار دے چکے ہیں۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ ڈاکٹر شوکت سبزواری بھی 'لہندا' (ملتانی) کو اُردو زبان کا بنیادی ماخذ خیال کرتے ہیں۔ ڈاکٹر کے ایس بیدی کے ہاں بھی اُردو زبان کی ابتداء کے ضمن میں ملتان کے حوالے سے تقریباً یہی نقطۂ نظر ملتا ہے:

''حقیقت میں یہ وہی زبان ہے جس کا ظہور ابتدائی طور پر شہر ملتان میں ہوا اور لاہور میں پرورش ہوئی پھر دہلی پہنچی اور یہ زبان صدیوں کے میل ملاپ سے اور تہذیبوں کے اتصال کی پیداوار ہے''۔ ۵۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ماحصل:

اس تمام بحث سے مندرجہ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

۱۔ اُردو زبان ہند آریائی زبان ہے۔ اس پر منڈا قبائل کی زبان اور دراوڑی زبان کے اثرات بھی موجود ہیں۔

۲۔ وادیٔ سندھ میں عرب اور فارس کے تاجروں، اولیاء کرام اور مسلمان فاتحین رلشکروں کی آمد اور قیام نے اس خطہ کی تمام زبانوں کو متاثر کیا اور اس وقت خطہ میں تین زبانیں، سندھی، سرائیکی اور پنجابی اپنی قدیم صورت میں بولی جارہی تھیں۔

۳۔ سرائیکی زبان وادیٔ سندھ کی مرکزی زبان ہے۔ جو جنوبی سندھ کی زبان سندھی اور شمالی خطہ کی زبان پنجابی کے مابین پل کا کام دیتی ہے۔

۴۔ وادیٔ سندھ میں پانچ سو برس کی حکمرانی کے بعد مسلمان فاتحین ہندوستان کے مشرقی اور جنوبی حصّوں کی جانب رُخ کرتے ہیں۔ لسانی تشکیل کے حوالے سے یہ عرصہ بہت زیادہ ہے، اور کافی اہمیت کا حامل ہے۔

۵۔ پہلی ہند مسلم حکومت (محمد بن قاسم) سے لے کر عہدِ غزنوی تک ملتان ہمہ قسم کی سیاسی اور تہذیبی سرگرمیوں کا سب سے بڑا مرکز رہا ہے۔ اس خطہ میں عربی، فارسی اور بلوچی زبانیں بولنے والوں کے پانچ سو سالہ قیام اور یہاں کے باشندوں سے میل جول کے سبب ایک لسانی اختلاط وقوع پذیر ہوا جس نے ایک نئی زبان کی شکل اختیار کرلی۔ یہ نئی زبان بعد ازاں مسلم عساکر لشکروں کے ہم راہ لاہور سے ہوتی ہوئی دہلی پہنچی جہاں اس کے خدوخال میں نمایاں تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئیں۔ یہ زبان دہلی کے بعد مسلم لشکروں کے اگلے پڑاؤ دکن تک پہنچی۔ دہلی اور دکن کے گردونواح کی زبانوں کے اثرات بھی اس نئی زبان نے قبول کیے مذکورہ تاریخی لسانی سفر کو تقریباً تمام ماہرینِ لسانیات تسلیم کرتے ہیں۔

۶۔ ملتان سے تعلق رکھنے والے صوفیاء اور مشائخ کے مرید رشاگرد اور ان کی اولاد جو سرائیکی رملتانی زبان بولتے تھے، ہندوستان کے تمام حصّوں میں جاکر آباد ہوئے۔ بالخصوص مرکزی ہند، دہلی، دکن، اور گجرات کے علاقوں میں لاکھوں افراد تک اسلام کا پیغام پہنچایا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ہزاروں کی تعداد میں ان کے شاگرد ہوئے۔ صدیوں پر محیط تعلیم و تدریس کا وسیع سلسلہ بڑے لسانی اختلاط کا سبب بنا، اور ایک نئی رابطے کی زبان سامنے آ گئی۔

۷۔ وادیٔ سندھ کے مرکز ملتان میں بولی جانے والی سرائیکی زبان کے ساتھ مذکورہ بالا تاریخی لسانی اختلاط وقوع پذیر ہوا جس نے آگے چل کر موجودہ اُردو کی شکل اختیار کر لی۔ پنجاب میں اُردو کے داعی، حافظ محمود شیرانی خود اس حقیقت کا اقرار کرتے ہیں۔ سید سلیمان ندوی کے ہاں بھی وادیٔ سندھ کے مرکز کو اہم مقام حاصل ہے۔ شرف الدین اصلاحی نے سائنسی خطوط پر کی گئی پر لسانی تحقیق میں صوتیات اور قواعد و گرائمر کے جتنے حوالے دیے ہیں وہ سرائیکی زبان میں من و عن مستعمل ہیں۔ ڈاکٹر روبینہ ترین نے بھی وادیٔ سندھ کی کسی ایک زبان کے بارے میں اُردو کے بنیادی ماخذ ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ تاہم ان کے ہاں اس طرح کے اشارے ملتے ہیں کہ وادیٔ سندھ کی مرکزی زبان کو اس ضمن میں قدرے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ ڈاکٹر شاہدہ بیگم نے وادیٔ سندھ کی صرف ایک زبان کے حوالے سے دعویٰ نہیں کیا اور نہ ہی وہ وادیٔ سندھ پر پہلی مسلم حکومت کے دور میں ملتانی کی مرکزیت سے انکاری ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، صدیوں پر محیط لسانی تشکیل کے سفر کو مختصر الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> "سندھ اور ملتان میں پروان چڑھنے والی یہ زبان پنجاب اور ترک افغانوں کی توانائیوں کو جذب کر کے صدیوں بعد دہلی پہنچی اور وہاں کی بولیوں سے نیا رنگ و نور لے کر جلد ہی مسلمانوں کی فتوحات کے ساتھ سارے برعظیم کی مشترک زبان بن گئی۔" ۵۶

ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی کا مؤقف ان سے چنداں مختلف نہیں:

> "وادیٔ سندھ میں عربوں کے دورِ حکومت میں سب سے بڑی ترقی یہ ہوئی کہ وادیٔ سندھ کی علاقائی زبانوں اور محاورات اور روزمرہ میں ایک قسم کی مرکزیت پیدا ہوئی اور ایک جامع "سندھی۔ سرائیکی زبان" (یا جو نام اس وقت اس کا تھا) کی تشکیل ہوئی۔ یہی زبان عام ملکی زبان بنی اور اس کی بنیاد مضبوط ہوئی۔" ۵۷

پیر حسام الدین راشدی کا خیال ہے کہ "مرکز ثقل ملتان منتقل ہو جانے سے ہزاروں قبائل دہلی کی طرف نقل مکانی کر گئے اور یوں وادیٔ سندھ میں پیدا ہونے والی نئی زبان دہلی پہنچی۔" شمس اللہ قادری اسی مکتبۂ فکر کے حامل ہیں۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق، نے سرائیکی زبان اور اس کا اُردو سے تعلق پر وسیع تحقیقی کام کیا ہے۔ اور تمام ممکنہ حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ اُردو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زبان نے دراصل سرائیکی زبان سے جنم لیا۔ البتہ اس کے پروان چڑھنے اور موجودہ شکل دینے میں ہندوستان کے دیگر وسطی خطوں کا کمال ہے۔

۸۔ قدیم اُردو، جدید سرائیکی زبان سے بہت زیادہ مماثلت رکھتی ہے۔

۹۔ اُردو زبان سات دریاؤں کی سرزمین (سپتہ سندھو) میں رابطے کی زبان (Lingua Franca) ازمنہ قدیم سے چلی آ رہی ہے۔ اور یہ کہنا کہ اُردو زبان اپنے اصل دیس میں قومی زبان قرار پائی ہے، بالکل صحیح ہے۔

حوالے

۱۔ محمد حسین آزاد "آبِ حیات"، مرتب: ابرار عبدالسلام، شعبۂ اُردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، ۲۰۰۶ء، ص ۴۔

۲۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری: "زبان اور اُردو زبان"، آئینہ ادب، لاہور، ۱۹۷۳ء، ص ۱۵۔۱۶۔

۳۔ ڈاکٹر مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے، شوکت سبزواری: "لسانی مسائل"، مکتبۂ اسلوب، کراچی، ۱۹۶۲ء، ص ۳۲۔۶۱

۴۔ عین الحق فرید کوٹی: "آریائی یا دراوڑی"، مشمولہ، اُردو نامہ، شمارہ نمبر ۱۴۔

۵۔ پروفیسر آل احمد سرور: "اُردو اور ہندوستانی تہذیب"، مشمولہ (اُردو اور ہندوستانی مشترکہ تہذیب)، مرتبہ: ڈاکٹر کامل قریشی، اُردو اکیڈمی دہلی، ۱۹۸۷ء، ص ۵۱۔

۶۔ عین الحق فرید کوٹی: "اُردو زبان کی قدیم تاریخ"، اورینٹ ریسرچ سنٹر، لاہور، طبع دوم، ۱۹۷۹ء، ص ۹۷۔۹۸

۷۔ ڈاکٹر محمد باقر: "اُردو، قدیم دکن اور پنجاب میں"، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷ء، ص ۵۔۴

۸۔ مرزا ابن حنیف: "سات دریاؤں کی سرزمین"، کاروانِ ادب، ملتان، ۱۹۸۰ء، ص ۲۳۱۔

۹۔ علامہ عتیق فکری: "نقش ملتان"، جلد اوّل، مجلس ثقافت و تاریخ، ملتان، ۱۹۸۲ء، ص ۳۵۔

۱۰۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق: "ملتانی زبان اور اس کا اُردو سے تعلق"، اُردو اکیڈمی، بہاولپور، ۱۹۶۷ء، ص ۲۴۔

۱۱۔

۱۲۔ منشی عبدالرحمٰن خان، "تاریخ ملتان ذیشان"، عالمی ادارۂ اشاعت علوم اسلامیہ، چہلیک، ملتان، ۱۹۸۵ء، ص ۲۸ تا ۳۳۔

۱۳۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے، ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی، "لسانیات پاکستان"، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۲ء، ص ۵۰۔۴۹، ۵۵ تا ۶۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۴۔ گریرسن، جارج، "Linguistic Servay of India"، Vol-1، گورنمنٹ آف انڈیا پریس، کلکتہ، ۱۹۱۹ء، ص ۳۷۔
۱۵۔ ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی، "لسانیات پاکستان"، ۱۹۹۲ء، ص ۲۶۔
۱۶۔ جارج گریرسن، "Linguistic Servay of India" Part-II, Vol,1، گورنمنٹ آف انڈیا پریس، کلکتہ، ۱۹۱۹ء، ص ۹۶۔
۱۷۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زور، "ہندوستانی لسانیات"، مکتبہ معین الادب، لاہور، طبع ثانی، ۱۹۵۰ء، ص ۶۹۔
۱۸۔ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ (تعارف) "اُردو زبان کی قدیم تاریخ"، عین الحق فرید کوٹی، اورینٹ ریسرچ سنٹر، لاہور، ۱۹۷۹ء، ص ۱۷۔
۱۹۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: میمن عبدالمجید سندھی، ڈاکٹر: "لسانیات پاکستان"، ۱۹۹۲ء، ص ۴۴۔۴۵۔
۲۰۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق: "ملتانی زبان اور اس کا اُردو سے تعلق"، ۱۹۶۷ء، ص ۴۲۔
۲۱۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے، مہر عبدالحق، ڈاکٹر، "ملتانی زبان اور اس کا اُردو سے تعلق"، ۱۹۶۷ء، ص ۳۶ تا ۷۰۔
۲۲۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے، نصیر الدین ہاشمی، "دکن میں اُردو"، ترقی اُردو بیورو، نئی دہلی، ۱۹۸۵ء، ص ۳۱ تا ۴۰۔
۲۳۔ ڈاکٹر سہیل بخاری: "لسانی مقالات"، حصہ سوم، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۱ء، ص ۱۳۳۔
۲۴۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے، "لسانی مقالات"، ڈاکٹر سہیل بخاری، ص ۳۳۵ تا ۳۳۸۔
۲۵۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے، "لسانی مقالات"، ڈاکٹر سہیل بخاری، ص ۳۴۱ تا ۳۴۳۔
۲۶۔ سیّد سلیمان ندوی، "نقوشِ سلیمانی"، کلیم پریس، کراچی، ۱۹۶۷ء، ص ۵۔
۲۷۔ شمس اللہ قادری، "تاریخ زبان اُردو"، مکتبہ معین الادب، لاہور، سن ندارد، ص ۸۔
۲۸۔ مولانا ابوظفر ندوی، "تاریخ سندھ"، (بحوالہ سفر نامہ شباری مقدس)، المعارف اعظم گڑھ، ۱۹۴۷ء، ص ۳۶۵۔
۲۹۔ (ماخوذ) ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی (لسانیات پاکستان) ص ۷۹۔
۳۰۔ شمس اللہ قادری (تاریخ زبان اُردو)، ص ۱۲۔
۳۱۔ مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ کیجیے، "ملتان کی ادبی تہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ"، ڈاکٹر روبینہ ترین، شعبہ اُردو بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، ۱۹۸۹ء، ص ۸۱ تا ۸۷۔
۳۲۔ ڈاکٹر شاہدہ بیگم، "سندھ میں اُردو"، اُردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ۱۹۸۰ء، ص ۸۶۔
۳۳۔ ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی: "اُردو سندھی کے لسانی روابط"، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۷ء، ص ۵۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۴۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: ''اُردو سندھی کے لسانی روابط''، شرف الدین اصلاحی، ۱۹۸۷ء، ص۱۱۶تا۱۲۷، محولہ کتاب میں مصنف نے صرف سندھی اور اُردو زبان کے الفاظ کی فہرست دی ہے جب کہ سرائیکی الفاظ کا اضافہ راقم السطور نے خود کیا ہے۔

۳۵۔ حافظ محمود شیرانی: ''پنجاب میں اُردو'' (تدوین، عطش درانی)، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء، ص۷۔

۳۶۔ شیرانی، ''پنجاب میں اُردو''، ص۱۱۳۔

۳۷۔ شیرانی، ''پنجاب میں اُردو''، ص۵۳۔

۳۸۔ ''نورنامہ''، ملتانی، مطبع، دین محمد اینڈ سنز، لاہور، ص۲۰۔

۳۹۔ سیّد محمد قادری، ''ارباب نثر اُردو''، مکتبہ ابراہمیہ، حیدر آباد دکن، ۱۹۲۷ء، دیباچہ، ص۲۔

۴۰۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق: ''ملتانی زبان اور اس کا اُردو سے تعلق''، ۱۹۶۷ء، ص۵۳۷۔

۴۱۔ ماخوذ ''ملتانی زبان اور اس کا اُردو سے تعلق''، مصنف: ڈاکٹر مہر عبدالحق، ۱۹۶۷ء، ص۵۴۔

۴۲۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: ''ملتانی زبان اور اس کا اُردو سے تعلق''، ڈاکٹر مہر عبدالحق، ۱۹۶۷ء، ص۵۳۷۔

۴۳۔ ڈاکٹر جمیل جالبی: ''تاریخ ادب اُردو''، [جلد اوّل] مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص۱۱

۴۴۔ کیفی جام پوری: ''سرائیکی شاعری''، بزمِ ثقافت، ملتان، ۱۹۶۸ء، ص۴۳۔

۴۵۔ مولانا نور احمد فریدی: ''ملتان اور مورخین''، قصر الادب، ملتان، (س۔ن، ص۶۲)

۴۶۔ الف۔د۔نسیم، ڈاکٹر: ''اُردوئے قدیم اور چشتی صوفیاء کرام''، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۷ء، ص۳۷۔

۴۷۔ ایضاً: ص۵۱۔

۴۸۔ ایضاً: ص۲۱تا۳۵۔

۴۹۔ رشید اختر ندوی: ''پاکستان کا قدیم رسم الخط اور زبان''، قومی ادارہ برائے تحقیق و تاریخ و ثقافت، اسلام آباد، ۱۹۹۵ء، ص۳۶۲۔

۵۰۔ ڈاکٹر وفا راشدی: ''اُردو کی ترقی میں ادباء سندھ کا حصہ''، مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص۲۲۹۔

۵۱۔ ایضاً: ص۵۱۔

۵۲۔ ایضاً: ص۲۱تا۳۵۔

۵۳۔ ڈاکٹر محمد علی صدیقی: ''اُردو ایک نام محبت کا''، مرتب: سیّد روح الامین، عزت اکیڈمی، گجرات، ۲۰۰۵ء، ص۵۵۔

۵۴۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: ''اُردو زبان کا ارتقاء''، ڈاکٹر شوکت سبزواری، پاک کتاب گھر، ڈھاکہ، ۱۹۵۶ء، ص۶۱۔۷۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۵۵ ڈاکٹر، کے۔ایس۔بیدی: ''تین ہندوستانی زبانیں''، انجمن ترقی اُردو، دہلی، ۱۹۶۶ء، ص ۱۶۰
۵۶ ڈاکٹر، جمیل جالبی (تاریخ ادب اُردو، جلد اوّل، ۱۹۵۵ء، ص ۶۸۰۔
۵۷ ڈاکٹر، میمن عبدالمجید سندھی: ''لسانیات پاکستان''، ۱۹۹۲ء، ص ۷۹۔

کتابیات

۱۔ آزاد، محمد حسین، ''آبِ حیات''، مرتب: ابرار عبدالسلام، ملتان، شعبۂ اُردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ۲۰۰۶ء۔
۲۔ ابن حنیف، مرزا: ''سات دریاؤں کی سرزمین''، ملتان، کاروانِ ادب، ۱۹۸۰ء۔
۳۔ ابوظفر ندوی، مولانا، ''تاریخ سندھ''، (بحوالہ سفرنامہ شیاری مقدس)، اعظم گڑھ، المعارف، ۱۹۴۷ء۔
۴۔ الف۔د۔نسیم، ڈاکٹر: ''اُردوئے قدیم اور چشتی صوفیاء کرام''، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۷ء۔
۵۔ اصلاحی، شرف الدین، ڈاکٹر: ''اُردو سندھی کے لسانی روابط''، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۷ء۔
۶۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر: ''تاریخ ادب اُردو''، [جلد اوّل]، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۵ء۔
۷۔ حافظ محمود شیرانی: ''پنجاب میں اُردو'' (تدوین، عطش درانی)، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۸ء۔
۸۔ رشید اختر ندوی: ''پاکستان کا قدیم رسم الخط اور زبان''، اسلام آباد، قومی ادارۂ برائے تحقیق و تاریخ و ثقافت، ۱۹۹۵ء۔
۹۔ زور، قادری، محی الدین، ڈاکٹر، ''ہندوستانی لسانیات''، طبع ثانی، مکتبۂ معین الادب، لاہور، ۱۹۵۰ء۔
۱۰۔ سلیمان ندوی، سید، ''نقوشِ سلیمانی''، کراچی، کلیم پریس، ۱۹۶۷ء۔
۱۱۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر: ''لسانی مقالات''، حصہ سوم، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۱ء۔
۱۲۔ سیّد، محمد، ''اربابِ نثر اُردو''، حیدرآباد دکن، مکتبۂ ابراہیمیہ، ۱۹۲۷ء۔
۱۳۔ شاہدہ بیگم، ڈاکٹر ''سندھ میں اُردو''، کراچی، اُردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۸۰ء۔
۱۴۔ شمس اللہ قادری، ''تاریخ زبان اُردو''، لاہور، مکتبۂ معین الادب، سن ندارد۔
۱۵۔ شوکت سبزواری، ڈاکٹر: ''اُردو زبان کا ارتقاء''، ڈھاکہ، پاک کتاب گھر، ۱۹۵۶ء۔
۱۶۔ عبدالرحمٰن خان، منشی، ''تاریخ ملتان ذیشان''، ملتان، عالمی ادارۂ اشاعت علوم اسلامیہ، چہلک، ۱۹۸۵ء۔
۱۷۔ عتیق فکری، علامہ: ''نقش ملتان''، جلد اوّل، ملتان، مجلس ثقافت و تاریخ، ۱۹۸۲ء۔
۱۸۔ عین الحق فرید کوٹی: ''اُردو زبان کی قدیم تاریخ''، طبع دوم، لاہور، اوریئنٹ ریسرچ سنٹر، ۱۹۷۹ء۔
۱۹۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر: ''زبان اور اُردو زبان''، لاہور، آئینہ ادب، ۱۹۷۳ء۔
۲۰۔ کامل قریشی، ڈاکٹر: مرتبہ، ''اُردو اور ہندوستان مشترکہ تہذیب''، دہلی، اُردو اکیڈمی دہلی، ۱۹۸۷ء۔
۲۱۔ کیفی جام پوری: ''سرائیکی شاعری''، ملتان، بزمِ ثقافت، ۱۹۶۸ء، ص ۷۳۔
۲۲۔ کے۔ایس۔بیدی، ڈاکٹر: ''تین ہندوستانی زبانیں''، دہلی، انجمن ترقی اُردو، ۱۹۶۶ء۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۳۔ گریرسن، جارج، "Linguistic Servay of India"، Vol-1، کلکتہ، گورنمنٹ آف انڈیا پریس، ۱۹۱۹ء۔

۲۴۔ محمد باقر، ڈاکٹر: ''اُردو، قدیم دکن اور پنجاب میں''، لاہور، مجلس ترقی ادب ۱۹۷۰ء۔

۲۵۔ محمد علی صدیقی، ڈاکٹر: ''اُردو ایک نام محبت کا''، مرتب: سیّد روح الامین، گجرات، عزت اکیڈمی، ۲۰۰۵ء۔

۲۶۔ مہر، عبدالحق، ڈاکٹر: ''ملتانی زبان اور اس کا اُردو سے تعلق''، بہاولپور، اُردو اکیڈمی، ۱۹۶۷ء۔

۲۷۔ نبی بخش بلوچ، ڈاکٹر (تعارف) ''اُردو زبان کی قدیم تاریخ''، مصنف عین الحق فرید کوٹی، لاہور، اوریئنٹ ریسرچ سنٹر، ۱۹۷۹ء۔

۲۸۔ نور احمد فریدی، مولانا، ''ملتان اور مورخین''، ملتان، قصر الادب، سن ندارد۔

۲۹۔ ''نور نامہ''، ملتانی، مطبع، لاہور، دین محمد اینڈ سنز، سن ندارد۔

۳۰۔ وفا راشدی، ڈاکٹر: ''اُردو کی ترقی میں ادباء سندھ کا حصہ''، لاہور، مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، ۱۹۹۴ء۔

۳۱۔ ہاشمی، نصیر الدین، ''دکن میں اُردو''، نئی دہلی، ترقی اُردو بیورو، ۱۹۸۵ء۔

O ------- O

© rasailojaraid.com